© rasailojaraid.com

اخبار

محمد یوسف گورایہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی میں وقتاً فوقتاً مشرق و مغرب کی علمی شخصیتیں آتی رہتی ہیں، جن کے قیمتی خیالات و آراء سے اراکینِ ادارہ مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ۱۲ جون ۱۹۶۹ء کو برصغیر پاک و ہند کے ایک جیّد متدین عالم، مسلّمہ مصنف و مؤلف، راست باز و حق گو انسان جناب مولانا عرصۂ دراز سے برصغیر پاک و ہند کے چوٹی کے اردو ماہنامہ "برہان" دہلی کے ایڈیٹر ہیں اور آج کل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (انڈیا) کے شعبہ دینیات کے صدر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۱۲ جون ۱۹۶۹ء کو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے حضرت مولانا صاحب کی آمد پر ایک علمی مجلس کے انعقاد کا اہتمام کیا جس کی آپ نے صدارت فرمائی۔ اس علمی مذاکرے کا موضوع تھا "پاکستان میں اسلامی قانون سازی" جس پر ادارے کے ایک اعزازی رکن جناب تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ، مشیر قانونی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے تقریر کی۔ جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کی تقریر دو حصوں پر مشتمل تھی۔

۱ ۔ پاکستان میں اسلامی قانون سازی کا تاریخی تجزیہ۔

۲ ۔ پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے امکانات۔

پہلے حصے پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں سب سے پہلی کوشش قراردادِ پاکستان ہے جس کے تحت تعلیماتِ اسلامی بورڈ قائم کیا گیا تھا۔ آپ نے کہا کہ تعلیماتِ اسلامی بورڈ نے جو کچھ کیا، سوائے چند اخباری اطلاعات کے اس بارے میں اب تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ نے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء کے آئینوں کی ان دفعات کو پڑھ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شنایا جن میں اسلامی قانون سازی کا ذکر ہے۔ دونوں آئینوں کی ان دفعات کے تقابلی تجزیے کے بعد آپ نے کہا ۱۹۵۶ء کا آئین اس سلسلے میں زیادہ واضح اور اسلامی قانون سازی کی طرف راست قدم تھا جب کہ ۱۹۶۲ء کے آئین میں یہ بات مبہم اور نیم دلانہ ہے۔

۱۹۳۷ء کے SHARIAH APPLICATION ACT کا تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد آپ نے بتایا کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد اس ایکٹ کے تحت جو عملی دشواریاں پیش آئیں ۱۹۶۲ء کے آئین میں ان کے پیشِ نظر ان میں ترمیم کی گئی لیکن اس آئین نے جہاں شرعی قانون کے راستے کی دشواریاں دور کیں، وہاں بعض دفعات ایسی بڑھا دیں جو بعض دشواریوں کا باعث بنیں۔ اس طرح آپ نے نتیجہ نکالا کہ حکومتی سطح پر پاکستان میں اسلامی قانون سازی کی طرف اب تک کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جا سکا۔

اپنی تقریر کے تاریخی تجزیے پر بحث کرتے ہوئے جناب تنزیل الرحمٰن صاحب نے حکومت کے بعد علماء کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ آپ نے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ پاکستان کے علماء کے نزدیک اسلامی قانون سازی سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ صدرِ اوّل کے آئمہ و فقہا نے جو کچھ کہہ دیا ہے وہ قانون ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے اُن کے نزدیک اسلام میں قانون سازی کی گنجائش ہی نہیں۔ مثالیں بیان کرتے ہوئے اُنھوں نے مختلف علماء کے ساتھ اپنے ذاتی تجربات کا تفصیل سے ذکر کیا اور بتایا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کفالت پر اسلام کا قانون کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ ھدایہ میں کتاب الکفالۃ دیکھ لیجئے۔ اسی طرح باقی تمام قوانین کا جواب ان کے ہاں ھدایہ ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے علماء قانون سازی کی اہمیت سے واقف نہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ فقہ کی کتب مروجہ قوانین کی جگہ بآسانی لے سکتی ہیں۔

ایک جدید عالم سے گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے تنزیل الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ علماء کا خیال ہے کہ اوّل تو جدید قانون سازی کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو یہ زیادہ سے زیادہ دو تین مہینے کا کام ہے۔ جس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ یہ کتنی سادہ لوحی کی بات ہے اور جدید قانون سازی سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ قانون سازی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے بتایا کہ یہ اتنا مشکل کام ہے کہ پورے پاکستان کے تمام علماء میں سے پچھلے بائیس برس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی ایک عالم نے ایک کتاب بھی نہیں لکھی، اگر یہ کام اتنا آسان ہوتا تو ان کے خیال میں اسلامی قانون سازی کے زبردست مطالبے کے جواب میں آخر کچھ تو لکھا جاتا۔ لہٰذا اُن کے خیال میں پاکستان میں علماء بھی اسلامی قانون سازی میں کوئی کام نہ کر سکے۔

تقریر کے دوسرے حصّے پر بحث کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ پاکستان میں اگر کوئی نظام کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے تو وہ صرف اسلامی نظامِ قانون ہے۔ اور اُن کے خیال میں اس قانون کی قدر و عظمت صرف پاکستانی عوام میں ہے، اُنھوں نے ملک کے پڑھے لکھے طبقے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ججوں اور وکلاء میں یہ بات عام طور پہ پائی جاتی ہے کہ بیسویں صدی میں اسلامی قانون نہیں چل سکتا۔ اس لئے اُنھوں نے حکومت، علماء اور دانش ور طبقے سے قطعِ نظر کرتے ہوئے عوام کی ایمانی قوت پر بھروسہ کیا اور پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے امکانات کی امید ظاہر کی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اس علمی مجلس کی صدارت کی دعوت کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ پاکستان میں آنے کے بعد ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد میں آئیں، اور آج یہاں آکر اور یہاں کے اراکین سے مل کر انھیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اس کے مکمل اظہار کے لئے ان کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ وہ ادارے کی مطبوعات کا مطالعہ نہایت دلچسپی کے ساتھ کرتے ہیں، اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ دینیات، شعبہ علوم اسلامیہ، ادارہ علوم اسلامیہ کے تمام اراکین ادارے کی طرف سے چھپنے والے ایک ایک نقطہ کی قدر کرتے ہیں، اور اس کی علمی اور اسلامی سرگرمیوں کی اُن کے ہاں بڑی قدر و منزلت ہے۔ آپ نے بتایا کہ اگرچہ انھیں باہمہ وجوہ یہاں کے مفکرین کے افکار سے اتفاق نہ ہو لیکن بحیثیت مجموعی جو کام یہ ادارہ انجام دے رہا ہے، وہ اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور جو کچھ ہو چکا ہے اس کی تشہیر ہو۔

ناقدینِ ادارہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب مرحوم و مغفور کا یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت شیخ الہند مرحوم، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا اخبار "الہلال" بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھا کرتے تھے۔ بعض علماء نے عرض کیا حضرت، آپ علم و فضل کے اس مقام پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائز ہونے کے باوجود ابوالسلام جیسے آدمی کا اخبار پڑھتے ہیں اور مستزاد یہ کہ اس میں تصویریں بھی چھپتی ہیں، اس کے جواب میں حضرت شیخ الہند نے یہ شعر پڑھا ؎

کامل اس طبقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے بھی تو یہی رندِ قدح خوار ہوئے

تنزیل الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں علماء کی ناکامی کا جو جائزہ لیا تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سعید احمد صاحب نے فرمایا کہ یہ کتنی بدنصیبی اور بدقسمتی کی بات ہے کہ علماء جو ورثۃ الانبیاء کے مقام پر فائز ہیں اور جو نبی آخرالزماںؐ کے قائم مقام ہیں، رہنمائی اور قیادت کی تمام صلاحیتیں کھو چکے ہیں۔ یہ لوگ اُمتِ محمدیہ کے شاھد ہیں اور رسول اکرمؐ ان پر شاھد ہیں، ان کو اُمت سے وہی تعلق ہے جو رسولؐ کو ان سے تعلق ہے۔ عامۃ المسلمین ان کے قدیم روایتی مقام اور رتبے کے پیشِ نظر دینی و دنیوی رہنمائی کے لئے ان کی طرف لپکتے ہیں، لیکن انتہائی ناکامی و نامرادی اور مایوسی کے ساتھ پلٹتے ہیں۔ آپ نے عامۃ المسلمین کی بے چارگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا کہ اس وقت مسلمان عوام ترقی یافتہ اقوام کے تیز رفتار قافلے کے ساتھ چند قدم دوڑ کر محسوس کرتے ہیں کہ اس تیز رفتاری میں وہ اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنے مذہب اور اپنی ثقافت کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں جو انھیں انتہائی عزیز ہیں۔ اس لئے قافلۂ عالم کو چھوڑ کر وہ اپنے سرمایۂ دینی و تہذیبی کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ اُسے بھی آنا ہی تیز رفتار بنالیں تاکہ وہ اقوامِ عالم کی تیز رفتاری کے مقابلہ میں اپنی بیش بہا پونجی کو بھی ساتھ لے سکیں، واپس لوٹتے ہیں تو ماضی کے وسیع جنگل سے ان ضروری چیزوں کا انتخاب ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے جو ان کے لئے موجودہ حالات میں ضروری ہیں۔ چنانچہ رہنمائی کے لئے رہنمایانِ قوم، طبقۂ علماء کی طرف پلٹتے ہیں، تاکہ وہ انھیں بتائیں کہ ماضی میں سے کون سی چیزیں لیں اور کون سی چھوڑ دیں۔ لیکن ان کی مایوسی و نامرادی کی اس وقت انتہا نہیں رہتی جب وہ اِس طبقے کو مجتہدانہ صلاحیت سے پوری طرح عاری پاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت پوری اُمت اس طبقے سے مایوسی کی وجہ سے زبردست ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہے۔ یہ طبقہ علماء جنھیں بیسویں صدی کے مسلمانوں کے رہنماؤں کی حیثیت سے تمام جدید معاشرتی اور سائنسی امور کا ماہر ہونا چاہیئے تھا، معلوماتِ عامہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک سے واقف نہیں۔ سکول و کالج کا ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم شہریت کے اصولوں سے واقف ہوتا ہے لیکن یہ رہنمایانِ قوم اتنا تک نہیں جانتے کہ کارپوریشن کیا ہوتی ہے۔ نظامِ حکومت چلانے کے لئے جن جدید شعبہ جات کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کیا ہوتے ہیں، انتظامیہ، قانون سازی اور عدالتی نظام کیسے چلتا ہے، کیا ایسے لوگ رہنمایانِ قوم کہلا سکتے ہیں؟ جو سائنسی اور تکنیکی علوم تو درکنار معلوماتِ عامہ تک سے ناواقف ہوں۔

برِصغیر پاک و ہند کے علماء اور عرب ممالک کے علماء کا تقابل کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس وقت عالمِ اسلام میں برِصغیر پاک و ہند کے علماء دین کا طبقہ سب سے زیادہ ناکام ثابت ہوا ہے، آپ نے بتایا کہ بحیثیت رکن مجمع البحوث الاسلامیہ انہیں تقریباً ہر سال قاہرہ میں سالانہ کانفرنس میں شرکت کا موقع ملتا رہا ہے۔ وہاں کے مختلف علمی مذاکروں اور سالانہ کانفرنسوں میں وہاں کے علماء بڑی محنت اور سرگرمی کے ساتھ موجودہ مسائل پر مقالے تیار کرتے ہیں، قانونی و علمی موضوعات پر کتابیں لکھتے ہیں اور ان کے مقالے اور ان کی کتابیں اور ان کے مذاکرے اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ وہاں کے علماء حالاتِ حاضرہ سے کس قدر واقف ہیں۔ ان کو حالات پر کتنا قابو ہے اور وہ کس انداز میں اپنے ہم وطنوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں کے علماء کا ذہن قانونی طور پر کتنا پختہ اور پیچیدہ مسائل کے حل پیش کرنے میں کتنا کامیاب ہے، جب کہ ان کے مقابلے میں یہاں کے علماء ان تمام مسائل سے بالکل بے خبر، نہ ان مسائل کا شعور رکھتے ہیں اور نہ ان کے حل کی اہلیت۔ ان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ملک میں کسی طرف سے مسائل کی موجودگی کے شعور اور ان کے حل کا پتہ چلے تو اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر اس آواز کو دبانے کی کوشش کریں تاکہ عوام مسائل اور اُن کے حل سے ان کے رہنماؤں کی طرح بے خبر رہیں۔

آپ نے فرمایا تنقید کرنا آسان ہے لیکن قابلِ تنقید بننا مشکل ہے۔ اس وقت عامۃ المسلمین کو درپیش مسائل کے حل سے علماء نے پوری طرح کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اس میدان میں نکلتے ہیں، علماء ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر ان کی سعی کو تاراج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک الزام یہ ہے کہ یہ لوگ مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں۔ آپ نے پُر زور لہجے میں کہا کہ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جو کچھ عامۃ المسلمین کی فلاح و رہنمائی کے لئے ہو رہا ہے، اُسے یہی "مرعوب طبقہ" انجام دے رہا ہے اور یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

آپ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تاریخی عوامل مسلسل کام کرتے رہتے ہیں، جس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی مذاہبِ عالم تاریخی عوامل کا شکار ہوئے اسلام بھی ان کی زد سے بچ نہ سکا، آپ نے فرمایا ہر مذہب آغاز کار میں چند اصولوں کا داعی بن کر اٹھتا ہے۔ پھر اصولوں کی بنیاد پر ایک معاشرہ معرضِ وجود میں آتا ہے، اور پھر اس معاشرے اور قوم کی ایک تاریخ بنتی ہے۔ کچھ عرصے تک وہ قوم ان رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے مسائل حل کرتی رہتی ہے لیکن بعد میں اس قوم کی تاریخ اس کے اصولوں کی جگہ لے لیتی ہے اور وہاں سے اس قوم کی تباہی و بدبختی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ہر مذہب کے ساتھ یہی ہوا اور یہی مذہبِ اسلام کے ساتھ ہوا، آج تاریخِ اسلام نے پیغامِ اسلام کی جگہ لے لی ہے۔ اس پسِ منظر میں آپ نے کہا کہ آج اگر کسی سے اسلام کی تعریف پوچھیں تو اگر وہ دیو بندی ہے تو اس کی اوّلین خواہش یہ ہوگی کہ اس کی تعریف میں دیو بند کا تو سب کچھ آ جائے لیکن بریلوی کی کوئی چیز نہ آنے پائے۔ منیر رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب اسلام کی تعریف کے لئے پوچھا گیا تو جواب ملا اس کی تعریف بتانے کے لئے کم از کم سات دن درکار ہوں گے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے تو آپؐ اس سوال کا جواب دے دیتے ہیں۔ آپؐ سے ایمان کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپؐ اسی وقت اس کا جواب دے دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا پیغامِ اسلام۔ تاریخِ اسلام سے بالا ہے۔ حق نہ حنفیت میں ہے نہ شافعیت میں نہ مالکیت میں اور نہ حنبلیت میں۔ آج اگر اسلام کے ساتھ دیانت دارانہ لگاؤ کے تحت اس پر عمل کرنا ہے تو ان گروہ بندیوں سے آزاد ہونا ہوگا، اور حق کی تلاش میں حنفیت، مالکیت، شافعیت، حنبلیت کے کونے چھاننے کے بعد شیعیت کے گوشے بھی چھاننے پڑیں گے، اور تاریخِ اسلام کی ان گروہ بندیوں کے بند توڑ کر ان میں سے اس روح اور اس اصول کو تلاش کرنا ہوگا جو ان سب کا مشترکہ سرمایہ ہے۔

اپنے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ دینِ اسلام ایک ہے اور ایک ہی رہے گا، اس کے لانے والا نہ صرف ایک ہے بلکہ سب سے آخری بھی ہے۔ اس لئے دینِ اسلام کے اس متحرک، ابدی اور لازوال پیغام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر زمانہ کے نئے مسائل کا حل ان اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا، چونکہ پیغمبرِ اسلامؐ، نبی آخر الزمانؐ تھے اس لئے مسائل کا حل یوں ہوگا کہ اسلام کے ان ابدی اور ہمہ گیر اصولوں کے پیشِ نظر یہ خیال کرنا ہوگا کہ جس طرح سرورِ کائناتؐ نے ان اصولوں کو اپنے زمانے کے مخصوص حالات میں نافذ کیا تھا آج اگر آپ موجود ہوں تو ان اصولوں کو کس طرح نافذ فرمائیں، آج اگر حضرت عمر فاروقؓ موجود ہوں تو ہمارے زمانہ کے حالات و مسائل کا حل کس طرح پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں، اگر اس نقطۂ نظر سے اسلام کو سمجھا جائے تو اسلام آج بھی ان حالات میں وہی نتائج پیدا کرسکتا ہے جو اس نے آج سے چودہ سو سال قبل پیدا کئے تھے۔

صدر اوّل کے فقہاء کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ان فقہاء کی کاوشوں کو دینِ اسلام کا مترادف قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے اس لئے کہ وہ فقہ خود اپنے زمانے میں علاقائی تھی اور ایک علاقے کے فقہاء اپنی فقہ کو دوسرے علاقے کے لئے مناسب خیال نہیں کرتے تھے، آپ نے امام مالکؒ کی مثال پیش کرتے ہوئے بتایا کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام مالکؒ سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے ایک ایسی کتاب مرتب کریں جسے وہ پوری اسلامی سلطنت کے لئے بطور قانون نافذ کردے۔ امام مالکؒ نے مؤطا تیار کردی۔ ابوجعفر منصور نے آپ سے اجازت چاہی کہ وہ اسے کعبہ میں آویزاں کردے اور پوری سلطنت میں اعلان کردے کہ سب لوگ اسے قانون جان کر اس پر عمل کریں اور اس کی خلاف ورزی نہ کریں، لیکن اس سلسلے میں جو کچھ امام موصوف نے فرمایا رہتی دنیا تک یاد رکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا، ایسا ہرگز نہ کریں اس لئے کہ یہ فقہ اہلِ حجاز کی فقہ ہے اور اس میں جن مسائل کا حل موجود ہے، وہ حجاز کے مخصوص مسائل ہیں۔ حجاز کے مسائل یقیناً عراق، شام، مصر اور ایران سے مختلف ہیں اس لئے مناسب نہیں کہ ایک علاقے کی فقہ کو تمام سلطنت پر نافذ کردیا جائے۔ اس سلسلے میں آپ نے فقہاءِ عراق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ عراق کے مسائل حجاز سے مختلف تھے اس لئے ان کا حل بھی مختلف تھا، عراق ایسی جگہ واقع تھا جہاں حجاز کی نسبت دیگر اقوام کے اختلاط کے زیادہ مواقع میسر تھے۔ ایران، عراق اور شام کے بے شمار نئے اور پیچیدہ مسائل نے عراق کو حجاز سے مختلف حیثیت دے رکھی تھی۔ اسی لئے عراقی فقہاء نے جو حل پیش کیا وہ حجازی حل سے مختلف تھا۔ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس فقرے کا حوالہ دیا، جس میں آپ نے فارسی زبان میں نماز ادا کرنے کی رخصت دی تھی۔ اور تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ آج کے علماء ان حالات و واقعات کا اندازہ نہیں کرسکتے جن کے تحت حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ اور اگر آج اس فقرے کو فارسی سے انگریزی، فرانسیسی وغیرہ زبانوں تک بڑھایا جائے تو اس میں بہرحال حالات کا حل پیش کرنے والوں کے لئے لمحۂ فکریہ موجود ہے۔

© rasailojaraid.com